مولانا عتیق احمد بستوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اُردُو زبان و ادب پر
خانوادۂ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور تحریک سیّد احمد شہیدؒ کے اثرات

سید احمد شہید کی تحریک

حضرت سید احمد شہید کی تحریک درِ اصل اصلاح عقائد و معاشرت، احیاء سنّت ابطال شرک و بدعت کی تحریک تھی۔ جہاد اسلامی کا احیاء اور حکومت اسلامیہ کا قیام بھی اس تحریک کا ایک اہم نصب العین تھا یہ کوئی ادبی یا لسانی تحریک نہیں تھی۔ جس کا اولین مقصد زبان و ادب کی خدمت اور اس کی ترویج و ترقی ہو۔ لیکن جو تحریکیں تخیلات کی فضاؤں میں پرواز کرنے کے بجائے حیات و کائنات سے رشتہ استوار کرتی ہیں۔ حالات کا رخ موڑنے اور انسانی معاشرے میں انقلاب آفرینی کے لئے جدوجہد کرتی ہیں انہیں زبان و ادب کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اپنے عہد کی زبان و اسلوب لہجہ اور ذریعۂ اظہار سے بے نیازی برت کر کوئی تحریک زیادہ کامیاب اور بارآور نہیں ہو سکتی۔ غالبًا اسی لئے اللہ جل شانہ نے ہر ملک اور قوم میں تبلیغ و دعوت کے لئے ایسے انبیاء کرام مبعوث فرمائے جو اس ملک و قوم کی نفسیات زبان و بیان، لہجہ و اسلوب سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ اور عصری اسلوب میں اپنی دعوت اور افکار کے اظہار پر پورے طور پر قادر تھے۔

سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح و جہاد تاریخ اسلام میں نمایاں اور ممتاز مقام رکھتی ہے برّاعظم ہند و پاک میں اصلاح عقیدہ و معاشرت، احیاء سنت اور ازالۂ بدعات و منکرات، جذبۂ جہاد و شوقِ شہادت بیدار کرنے میں اس تحریک کی خدمات بڑی دیرپا اور ناقابلِ فراموش ہیں۔ سید صاحب کی تحریک کا اولین سرچشمہ قرآن و سنت ہے۔ سید احمد شہید اور ان کے رفقاء نے قرآن و سنت کی روشنی میں برصغیر کے مسلم سماج کا بھرپور جائزہ لیا اور مسلمانانِ برصغیر کے عقائد و اعمال، اخلاق و معاشرت رسوم و تقریبات میں قرآن و سنت سے متصادم یا بے میل جو اجزا شامل ہو گئے تھے ان سے مسلمانوں کو پاک کرنے مشرکانہ عقائد و اعمال کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے جان و مال کی بازی لگا دی۔ سید احمد شہید نے مسلمانانِ ہند کی بے کسی اور مظلومیت دیکھ کر اور اپنی دینی ذمہ داری سمجھ کر خلافت علی منہاج النبوۃ

کے قیام کے لئے جدوجہد تیز کردی۔ اور سرفروشی اور شوقِ شہادت سے برصغیر کی پوری فضا گرم کردی آخر کار معرکہ حق و باطل میں جام شہادت نوش فرمایا۔

سید احمد شہیدؒ کی تحریک بڑی طاقت ور اور انقلاب آفرین ثابت ہوئی۔ اس تحریک نے حالات کا رخ موڑ دیا۔ پورے برصغیر میں مسلمانوں کی زندگی میں انقلاب عظیم برپا ہوگیا۔ ایمان و یقین کی باد بہاری چلنے لگی۔ کروڑوں مسلمان غیر اسلامی زندگی سے تائب ہوکر سچے پکے مومن بن گئے۔ بے شمار غیر مسلموں کو قبول اسلام کی سعادت حاصل ہوگئی۔ جہاد و شہادت کے زمزموں سے ہندوستان کی فضا معمور ہو گئی۔ طاقت ور تحریکیں خواہ ان کا بنیادی نصب العین کچھ بھی ہو زندگی کے قیام کے تمام شعبوں کو متاثر کرتی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ سید احمد شہید کی تحریک اردو زبان و ادب پر اثر انداز نہ ہوئی۔ حالاں کہ اردو زبان میں برصغیر ہند و پاک کے باشندوں کی عوامی اور عمومی زبان تھی اور اسی زبان کی مدد سے ہندوستانی عوام سے رابطہ قائم کیا جاسکتا تھا۔

تحریک سید احمد شہید اور خانوادۂ ولی اللہی

سید صاحب کی تحریک اصلاح و جہاد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خاموش تحریک کا امتداد اور اس کا نقطۂ عروج تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی کارناموں سے مسلمانانِ ہند کی دینی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے خانوادۂ ولی اللہی سے سید احمد شہید اور ان کی تحریک کے اکثر اہم رفقاء نے بھرپور کسب فیض کیا اور خانوادۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس تحریک کی مکمل سرپرستی فرمائی۔ اور اس تحریک کو جان سے زیادہ عزیز سمجھا۔ اس لئے سید احمد شہید کی تحریک پر ولی اللہی تحریک کے گہرے اثرات پڑے۔ اور خانوادۂ ولی اللہ کا ذوق و مزاج اس تحریک کے کارکنوں میں رچ بس گیا۔

شاہ ولی اللہ دہلوی اور زبان و ادب

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ عصری زبان و اسلوب میں دین کی تفہیم و تشریح کے زبردست داعی تھے انہوں نے اپنی تمام تصانیف میں معیاری زبان استعمال کی ہے۔ زبان و بیان، اسلوب و لہجہ کے اعتبار سے ان کی نگارشات ادب عالیہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ اپنی مایۂ ناز تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں انہوں نے عربی زبان و ادب پر غیر معمولی دستگاہ اور قدرت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ اس کتاب میں غیر معمولی روانی و سلاست، حلاوت و رچاوٹ ہے۔ زورِ بیان اور ندرت اظہار حجۃ اللہ البالغہ کے نمایاں اوصاف ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بقول عربی زبان کی علمی اور فنی کتابوں میں مقدمہ ابن خلدون کے بعد حجۃ اللہ البالغہ جیسا اسلوب بیان اور طرز نگارش کسی اور کتاب میں نظر نہیں آتا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں برِاعظم ہند و پاک کی علمی اور تصنیفی زبان فارسی تھی۔ فارسی زبان وادب میں شاہ صاحب کا مقام بلند محتاج بیان نہیں۔ شاہ صاحب کی فارسی تصانیف ہوں یا مکتوبات فارسی زبان وادب کے بلند ترین معیار پر پورے اترتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں بلا کی حلاوت وچاوٹ، پختگی و سلاست ہے۔ ان کی تحریریں سہل ممتنع کی بہترین نمونہ ہیں۔ شاہ صاحب نے بصیرت ایمانی اور فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے فارسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ اور اس پر مختصر تفسیری حواشی لکھے۔ شاہ صاحب کا یہ اقدام علمی اور مذہبی دنیا میں ایک انقلاب انگیز، مجتہدانہ اقدام تھا۔ انہوں نے ترجمۂ قرآن کی راہ سے علماء ہند کے سامنے دین کی خدمت واشاعت کی ایک وسیع شاہراہ کھول دی۔ اور علماء ہند کو اس بحث سے صدیوں پہلے فارغ کر دیا کہ قرآن پاک کا ترجمہ کسی اور زبان میں جائز ہے یا نہیں؟ شاہ صاحب کا ترجمہ قرآن عربی، فارسی دونوں زبانوں میں ان کی غیر معمولی قدرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

شاہ صاحب کے دور میں اردو زبان اپنی نشوونما کے ابتدائی مراحل طے کر رہی تھی۔ سیاسی سماجی اور معاشی تبدیلیوں کے نتیجے میں اردو زبان جو اب تک عوام اور پسماندہ طبقے کی زبان تھی خواص کی محفلوں اور امرا کے محلات میں بھی اپنی جگہ بنا رہی تھی۔ شاہ صاحب ایک علمی و اصلاحی تحریک لے کر اٹھے تھے۔ وہ اتنی اہم لسانی اور ادبی تبدیلی سے کس طرح آنکھیں بند کر سکتے تھے۔ انہیں اردو زبان کے ذریعہ دین کی تبلیغ و اشاعت اور اپنی ہمہ جہت اصلاحی تحریک کے فروغ کے بڑے امکانات نظر آ رہے تھے اس لئے انہوں نے اپنے صاحبزادوں کو اس طرف متوجہ کیا کہ اردو زبان وادب میں بھی کمال پیدا کریں۔ اور اردو ادب کے اساتذہ سے اس نوخیز زبان کے استعارے کنائے اور محاورے سیکھیں۔

سید ناصر نذیر فراق نے "لال قلعہ کی ایک جھلک" میں ذوق کے حوالہ سے لکھا ہے۔

> "شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے والد ماجد کے حکم کے بموجب اردو زبان سیکھنے کے لئے خواجہ میر درد صاحب کی خدمت میں چھٹپن سے حاضر ہوتے تھے اور چپ چاپ بیٹھے ہوئے آپ کی تقریریں سنا کرتے تھے۔ اور محاورات کو دل ہی دل میں چنا کرتے تھے۔ مولانا ولی اللہ صاحبؒ اپنے بچوں سے کہا کرتے تھے کہ جس طرح اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ فن ہے اسی طرح اصولِ زبان بھی فن ہے۔ اور اردو زبان کے مجتہد خواجہ میر درد صاحب ہیں۔ آپ کی صحبت کو اس فن کے واسطے غنیمت سمجھو۔ کیونکہ خواجہ صاحب یکے ہّاں ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحب خاص طور پر میر درد صاحب کے شاگرد تھے۔" (لال قلعہ کی ایک جھلک ص ۶۴)

اردو زبان میں شاہ عبدالعزیز کا مقام

شاہ ولی اللہ کی تعلیم و تربیت اور فیض صحبت سے ان کے جانشین اور فرزند اکبر شاہ عبدالعزیز نے تمام علوم میں کامل دستگاہ پیدا کی۔ اپنے والد بزرگوار کی طرح علوم ادبیہ میں بھی کمال پیدا کیا۔ اعذار و امراض نے انہیں گھیر رکھا تھا۔ آخر میں بصارت بھی ختم ہو گئی تھی پھر بھی ان کا دریائے فیض پورے زور و شور کے ساتھ جاری تھا اور طالبانِ علوم برابر ان سے کسبِ فیض کر رہے تھے۔ تفسیر فتح العزیز اور تحفہ اثنا عشریہ ان کے امالی ہیں۔ باقاعدہ تصنیف نہیں ہیں۔ لیکن یہ دونوں کتابیں قوت تاثیر، حلاوت و سلاست میں ہزاروں باقاعدہ تصانیف پر بھاری ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی علمی و تحقیقی قدر و قیمت سے قطع نظر ان کا ادبی مقام فارسی لٹریچر میں بہت بلند ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ کم از کم شیرینی و سلاست کے اعتبار سے شاہ عبدالعزیزؒ کی فارسی نثر حضرت شاہ ولی اللہ کی فارسی نثر سے بڑھی ہوئی ہے۔

شاہ عبدالعزیز نے اردو زبان میں کوئی تصنیفی یادگار نہیں چھوڑی۔ لیکن اردو زبان وادب میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا استاذانہ مقام اس بات سے عیاں ہے کہ جب استاذ ابراہیم ذوق کے کلام پر ان کے استاد شاہ نصیر نے اصلاح دینی چھوڑ دی تو انہوں نے شاہ عبدالعزیز کی طرف رجوع کیا۔

محمد حسین آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے:۔

"شاہ نصیر مرحوم نے دکن میں کسی کی فرمائش پر ۹ شعر کی ایک غزل کہی تھی، جس کی ردیف تھی "آتش و آب و خاک و باد" وہ غزل مشاعرے میں سنائی اور کہا اس طرح جو غزل لکھے اسے میں استاذ مانتا ہوں۔ دوسرے مشاعرے میں ذوق نے اسی پر غزل پڑھی۔ شاہ صاحب کی طرف سے بجائے خود اس پر اعتراض ہوئے۔ جشن قریب تھا شیخ ابراہیم ذوق علیہ الرحمۃ نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ اسی طرح میں لکھا مگر پہلے مولوی عبدالعزیز صاحب کے پاس لے گئے۔ کہ اس کی صحت و سقم سے آگاہ فرمائیں۔ انہوں نے سن کر پڑھنے کی اجازت دی۔ مگر ولی عہد بہادر نے اپنے شقہ کے ساتھ اسے پھر شاہ صاحب کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہی جواب میں لکھ دیا اور یہ شعر بھی لکھا ؎

بود بگفتۂ من حرف اعتراض چنانکہ کسے بدیدۂ بینا فرو برد انگشت

شیخ مرحوم کا دل اور بھی قوی ہو گیا اور دربار شاہی میں جا کر قصیدہ سنایا۔ اس کے بڑے چرچے ہوئے (آب حیات ص ۴۳۶)

شیخ محمد اکرم نے رود کوثر میں لکھا ہے:

آپ کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ نہ صرف امور مذہبی حدیث و تفسیر و فقہ میں آپ

کی رائے کو بڑی وقعت سے دیکھا جاتا تھا۔ بلکہ ادبی معاملات میں بھی آپ کی رائے کو بڑی اہمیت تھی۔ چنانچہ ناظرین آبِ حیات کو یاد ہوگا کہ جب شاہ نصیر دہلوی نے ذوق کی غزل درست کرنے سے انکار کردیا تو ذوق دہلی کے سب اساتذہ کو چھوڑ کر آپ ہی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جب آپ نے اس کی غزل کے متعلق تسلی کردی تو ذوق نے کسی اصلاح لئے بغیر بے دھڑک اس غزل کو مشاعرے میں پڑھا۔

ہفتہ میں دو بار حضرت شاہ صاحب عبدالعزیز کی مجلس وعظ منعقد ہوا کرتی تھی۔ ان مجالس وعظ کی افادیت و تاثیر کے بارے میں سرسید احمد نے آثار الصنادید میں لکھا ہے۔ ہفتہ میں دو بار مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی اور شائقین صادق العقیدت و صافی نہاد خواص و عوام سے مور و ملخ سے زیادہ جمع ہوتے تھے اور طریقہ رشد و ہدایت کا استفاضہ کرتے۔ (آثار الصنادید صہ ۱۴۱ باب چہارم)

شاہ صاحب کے یہ مواعظ اردو زبان میں ہوتے تھے کیونکہ اردو ہی عوام و خواص کی مشترک زبان تھی جس سے سماج کا ہر طبقہ مستفید ہوسکتا تھا۔ ان مواعظ کی زبان سادہ سلیس اور ٹکسالی ہوتی۔ ذوق جیسے اساتذۂ فن ان مجالس میں شریک ہوکر اردو کے محاورے سیکھتے۔

سید ناصر نذیر فراق نے لکھا ہے:۔

کون نہیں جانتا کہ حضرت شاہ نصیر صاحب دہلوی۔ اکبر شاہ ثانی اور ابوظفر بہادر شاہ اور شیخ ابراہیم ذوق کے استاد تھے۔ جب شاہ نصیر کا ذوق سے دل کھٹا ہوگیا اور اصلاح موقوف ہوئی تو ذوق ہر جمعہ کو مولانا عبدالعزیز صاحب کے وعظ میں جانے لگے اور وعظ بہت غور سے سننے لگے۔ کسی دوست نے اس کا سبب پوچھا تو ذوق نے کہا۔

"استاذ مجھ گنہگار سے ناخوش ہوگئے ہیں۔ شعر و سخن میں اصلاح ملتی نہیں اس کا بدل میں نے یہ نکالا ہے کیونکہ مولانا عبدالعزیز صاحب اردو زبان دانی میں شاہ نصیر سے کم نہیں۔ ان کے بیان اور گفتگو کو سنتا ہوں اور اردو کے محاورے روزمرہ یاد کرتا ہوں"۔ (لال قلعہ کی ایک جھلک صہ ۳۶ مطبوعہ اردو اکادمی دہلی)

اردو زبان پر شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے اثرات | ابھی اردو زبان کو گھٹنوں چلنا نہ آیا تھا اور اردو نثر ابتدائی مرحلے میں تھی کہ شاہ ولی اللہ کے صاحب زادگان نے اس نوخیز زبان میں دین کی تبلیغ و اشاعت اور مذہبی کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس تصنیفی سفر کا آغاز بھی کتنے مبارک کام سے ہوا۔ اس نوزائیدہ زبان کی خوش بختی دیکھئے کہ نشو و نما کے بالکل ابتدائی دور ہی میں اس کا سینہ قرآنِ حکیم کے معانی سے معمور ہوگیا۔ شاہ ولی اللہ کے صاحبزادگان شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب نے

قرآن پاک کا ترجمہ اردو زبان میں کیا اور قرآن کے لعل وجواہر کو اردو کا جامہ پہنایا۔

شاہ رفیع الدین صاحب (۱۱۶۳ھ - ۱۲۳۳ھ ۱۷۵۰ء - ۱۸۱۸ء) شاہ ولی اللہ کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ موصوف بھی اپنے برادر بزرگ شاہ عبدالعزیزؒ کی طرح تمام علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح اپنے والد کا نام روشن کیا۔ اور ان کی دینی تحریک اور علمی روایت کو بہت آگے بڑھایا۔ انہیں عربی اور فارسی پر پورا عبور حاصل تھا۔ عربی میں متعدد بلند پایہ قصائد کے علاوہ اردو، عربی اور فارسی میں تقریباً بیس کتابیں انکی یادگار ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کا لفظی ترجمہ کیا۔ انہوں نے یہ ترجمہ درسی نقطہ نظر سے اپنے ایک شاگرد کی درخواست پر کیا۔

تفسیر رفیعی کے دیباچہ میں ہے۔

" لکھتا ہے میر عبدالرزاق بن سید نجف علی خاں المعروف بہ فوجدار خان غفراللہ ولوالدیہ۔ کہ والد بزرگوار میرے نے بخدمت جناب عالم باعمل و فاضل بے بدل، واقف علوم معقول و منقول۔ خلاصۂ متاخرین مولوی رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے عرض کیا تھا۔ کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبان اردو میں لکھوں۔ پھر آپ اس کو ملاحظہ فرما کر اصلاح دے کر درست فرما دیا کریں۔

چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح سے مرتب ہوا اور رواج پایا ہے۔ اسی صورت سے تفسیر سورۂ بقر کی بہ طور فائدوں کے تمام و کمال مفصل و مشرح لکھی تھی اور موسوم بہ تفسیر رفیعی کیا۔"

شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمۂ قرآن لفظی ترجمہ ہے۔ اس لئے اس میں اردو جملوں کی ساخت نہیں آسکی انہوں نے قرآن کے ہر لفظ کے نیچے اردو کا مناسب ترین لفظ لکھ دیا ہے۔ وہ متن قرآن سے ذرہ برابر ادھر ادھر ہوئے۔ اس لفظی التزام کے باوجود ان کے ترجمہ میں ایسے الفاظ بہت مشکل سے ملیں گے جو عام فہم اور سادہ نہ ہوں۔ شاہ رفیع الدین کے ترجمۂ قرآن سے اردو کی ترقی پذیری۔ اس کے ذخیرۂ الفاظ اور قوت اظہار کا پتہ چلتا ہے۔ سرسید نے شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے تراجم پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:-

" مولوی عبدالقادر صاحب کا اردو ترجمۂ کلام اللہ کا اردو لغات کے لئے ایک بڑی سند ہے اور مولوی رفیع الدین صاحب کا ترجمہ تراکیب نحوی کے لئے ایک بہت بڑی دستاویز ہے"

ترجمۂ قرآن سے اردو ذخیرہ الفاظ پر شاہ رفیع الدین کی وسیع و عمیق نگاہ کا تو پتہ چلتا ہے۔ لیکن ان کے اسلوب بیان اور طرز نگارش کا سراغ نہیں لگتا۔ کیونکہ ترجمۂ قرآن میں انہوں نے لفظی ترجمہ کا التزام کیا اور اپنے کو متن قرآن کا تابع بنایا۔ تفسیر رفیعی میں انہوں نے لفظی پابندیوں سے آزاد ہو کر قرآن کے معانی و اسرار کی نقاب کشائی کی ہے۔ اس لئے ان کا اسلوب بیان اور طرز نگارش تفسیر رفیعی میں آئینہ ہو جاتا ہے تفسیر

رفیعی کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

"حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو مکے کے پاس نعمان ایک میدان ہے اس میں پیدا کیا اور کئی دن زمین پر رکھا اور رزق بہشت سے بھیجا۔ یہ مہر جانوروں میں جوڑی دیکھتے تھے اور آپ تنہائی سے گھبراتے تھے۔ ایک بار جو سوئے دیکھا کہ ایک عورت میرے قسم کی میرے پاس بیٹھی ہے۔ بہت خوش ہوئے۔ جب آنکھ کھلی کچھ نہ پایا۔ وحشت ان کو زیادہ ہوئی۔ حق تعالیٰ نے جبرئیل کو بھیجا اور انہوں نے ان کی بائیں پسلی کے نیچے چاک کیا۔ اور اس میں سے حضرت حوا کو کہ حق تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہو گئی تھیں نکال کر ان کے پاس بٹھا دیا۔ اور حق تعالیٰ نے حضرت حوا کا نکاح حضرت آدم سے باندھ دیا۔ پھر فرشتوں کو حکم کیا کہ ایک تخت پہ دونوں کو بٹھا کر بہشت میں جا اتاریں جب بہشت میں گئے۔ تو حق تعالیٰ نے مالک بہشت کا کیا۔ تاکہ وہاں کے کارخانے دیکھ کر ویسے ہی زمین میں بنا دیں۔ اور ویسی خوبی کی نعمتیں کھانے میں اور پہننے میں تیار کریں۔ اور کتنی مدت غذا بے فضلہ اور بے محنت کھا کر قوت پکڑیں۔ لیکن جب ان کو بول و براز کی حاجت نہ تھی۔ ان اعضاء کی کچھ خبر نہ تھی۔ لیکن آزمائش کے واسطے ایک درخت کے کھانے سے منع کر دیا۔ اور حکمت رکھی کہ یہ زمین میں گناہ گار ہو کر اتریں تو بندگی میں اور ڈر میں رہیں نہ یہ کہ بسبب عزت خلافت کے دعویٰ خدائی کا کریں۔"

شاہ رفیع الدین صاحب کی یہ سادہ وسلیس اور رواں نثر کم و بیش دو صدی پہلے کی ہے جب کہ اردو نثر پاؤں چلنا سیکھ رہی تھی۔ اس دور تک اردو نثر میں گنتی کی چند کتابیں تھیں۔ وہ بھی لفظی صنعتوں اور قافیوں سے گراں بار، اور فارسی اسلوب نگارش کے دام میں اسیر، اٹھارہویں صدی ہجری میں میر حسین عطا خاں تحسین کی " نوطرز مرصع " جیسی نثر کا رواج تھا۔ جس میں رنگین زبان اور مصنوعی و پُر تکلف طرز اختیار کیا جاتا تھا۔ اردو نثر پر فارسی زبان کا مزاج حاوی تھا۔ شاہ ولی اللہ کے صاحبزادوں نے اپنی تفسیروں اور تحریروں کے ذریعہ اردو نثر کو ان تکلفات اور رسمیات کی بیڑیوں سے آزاد کیا۔ اردو نثر میں سلاست و روانی۔ سادگی و بے ساختگی، متانت و اختصار پیدا کیا +

مؤتمر المصنفین کی پہلی پیشکش

دعوات حق (جلد اوّل)

از شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی

خطبات مواعظ اور ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ علم و حکمت کا گنجینہ جسے ہر لحاظ سے قومی و ملی پریس سراہا اور اہل علم طلبا اور تعلیمیافتہ طبقے نے ہاتھوں ہاتھ لیا دین و شریعت اخلاق و معاشرت علم و عمل عروج و زوال نبوت و رسالت شریعت و طریقت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے عام فہم اور درد و سوز میں ڈوبے ہوئے انداز میں گفتگو نہ کی ہے دلوں میں اترنے والی ایمانی و اصلاحی انقلاب پیدا کرنے والی ایمان آفرین کتاب ، عمدہ کتابت و طباعت ، بہترین جلد ، صفحات ۶۲۵ ، قیمت ۲۵/

* مؤتمر المصنفین ، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور